SIMON SCARROW

FROM THE NO. 1 BESTSELLING AUTHOR

BROTHERS IN BLOOD

OVERLOOK

کارلوس

اس عہد کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ پُراسرار دہشت پسند — ہر لحظہ چہرہ بدلنے والے چھلاوے کی انتہائی سنسنی خیز اور دل ہلا دینے والی تفصیلات پہلی بار منظرِ عام پر آرہی ہیں — اوڈ ڈیمارس کی کتاب "بردرز ان بلڈ" سے ماخوذ۔

ڈاکٹر آفتاب احسن

دہشت پسندوں کے حملے سے تھوڑی دیر پہلے ویانا پولیس کا انسپکٹر انتون تیشلر اپنے ساتھی انسپکٹر یوسف یاندا کو بتا رہا تھا کہ وہ ریٹائر ہوتے ہی اپنی دیرینہ آرزو پوری کرنے کے لیے شرقِ اوسط کی سیر کو نکل جائے گا۔ اس علاقے کی تاریخ و تہذیب سے اُسے بے حد دلچسپی تھی۔ اُس نے عربی اور فارسی پر عبور حاصل کیا تھا اور یہ بات اُس کے اعلیٰ افسروں کو بھی معلوم تھی، چنانچہ شاہِ ایران جب معمول کے مطابق اپنا سالانہ طبّی معاینہ کروانے آیا تو اُسی کو اُس کے ساتھی اور محافظ کی ذمّے داری سونپی گئی تھی۔ اسی طرح جب تیل برآمد کرنے والے ملکوں کی تنظیم "اوپیک" نے ویانا کو اپنے ششماہی اجلاس کے لیے منتخب کیا تو جن لوگوں کے سپرد حفاظتی انتظامات کیے گئے، اُن میں تیشلر سرِفہرست تھا۔ ساٹھے پاٹھے کی مثل اُس پر صادق آتی تھی اپنی عمر کی ساٹھ بہاریں دیکھنے کے باوجود اُس نے خزاں کے اثرات بالکل قبول نہ کیے تھے اور بظاہر وہ کسی سپاہی سے زیادہ ایک خوش دل خوش باش اور صحت مند کسان معلوم ہوتا تھا۔

"اوپیک" کے مرکزی دفاتر ویانا کی نہایت معروف سڑک "ڈاکٹر کارل لوگر رنگ" پر واقع ایک سات منزلہ عمارت میں تھے جو ٹیکساکو بلڈنگ بھی کہلاتی تھی کیونکہ اُس پر اس نام کا نیون سائن دُور سے نظر آتا تھا۔ کینیڈین سفارت خانہ، ویانا میونسپلٹی کی انتظامیہ اور کئی دوسرے کاروباری ادارے بھی اسی میں کام کرتے تھے۔ ہر منزل پر پہنچنے کے لیے علیحدہ علیحدہ تین لفٹیں تھیں۔ دو زینے بھی تھے جن پر آگ سے بچاؤ کے لیے مضبوط لوہے کے دروازے جڑے تھے۔

اس عمارت کی دوسری منزل پر واقع "اوپیک" کے دفاتر میں پہنچتے ہی سب سے پہلے شیشے کی مضبوط دیوار اور اُس میں لگے بلوریں دروازے سے مڈبھیڑ ہوتی اور اندر داخل ہوتے ہی استقبالیے میں دراز قد پُرکشش ایڈتھ ہیلر ہر آنے والے کو خوش آمدید کہتی پھر اپنے دائیں بائیں راہداری میں چھپاں دفاتر کا راستہ دکھاتی۔

۲۱ دسمبر ۱۹۷۵ء — بروز اتوار — ویانا میں سخت سردی پڑ رہی تھی۔ برف کا ایک دبیز فرش بچھا ہوا تھا۔ بڑے دن کی تعطیلات کی آمد آمد تھی اور "اسکی" کے شائقین برف پر پھسلنے کا شوق پورا کرنے کے لیے دور و نزدیک کی پہاڑیوں کا رُخ کر رہے تھے۔ خود تیشلر بھی اپنی ملازمت کی اس آخری ڈیوٹی پر یہ سوچ رہا تھا کہ آنے والے دن اپنے ریٹائرمنٹ کا آغاز وہ اپنی بیوی کی رفاقت میں سوئٹزرلینڈ سے کرے گا۔

تیل برآمد کرنے والے گیارہ ملکوں کے وزیروں اور اُن کے معاونوں کا اجتماع دس بج کر پچاس منٹ پر شروع ہو چکا تھا اور ایجنڈے میں تیل کی اضافہ شدہ نئی قیمتوں پر بحث شامل تھی۔ تازہ خبروں کے متلاشی صحافی لابی میں منڈلا رہے تھے اور دروازے کے باہر کھڑا ایک باوردی سپاہی کسی اخباری نمائندے سے ایک کتاب کے بارے میں تبادلۂ خیال کر رہا تھا کہ اچانک گیارہ بج کر چالیس منٹ پر پانچ نوجوان مرد اور ایک عورت "اسکی" کے

لمبے لمبے تھیلے تھامے نمودار ہوئے اور دروازے پر موجود کسی نمائندے سے پوچھا کہ اندر اجتماع ابھی ختم تو نہیں ہوا۔ سوال کچھ عجیب نہ تھا، جواب بھی اثبات میں تھا، مگر نہ جانے ایسی کیا بات تھی کہ جواب دینے والے کی نظریں دُور تک راہداری میں پیچھا کرتی چلی گئیں۔

سوال کرنے والا ہی بظاہر اس ٹولی کا لیڈر معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے ہسپانوی باسک علاقے کی بیرٹ نما ٹوپی اور چمڑے کی جیکٹ پر سفید گرم کھلا کوٹ پہن رکھا تھا۔ اوسط سے کچھ نکلتا ہُوا قد، لمبے گھونگھریلے بال، قلمیں کافی نیچی، مونچھیں اور چگی ڈاڑھی۔ یہ تھا اُس کا حلیہ۔ اور جب اُس نے جاتے جاتے اپنے ساتھیوں کو پلٹ کر اِدھر اُدھر دیکھا تو چہرے کے رُخ سے وہ بالکل مشہور انقلابی چے گویرا لگتا تھا۔ اُس کی ساتھی عورت لمبے، جوخاصی نرم و نازک اور شکل سے بیس برس کی لگتی تھی، "اسکی" کی کبوتری اُونی ٹوپی سے اپنے بال پُوری طرح ڈھانپ رکھے تھے۔ لوہے کے سُرخ دروازے میں داخل ہونے والے اس ٹولے کے آخری فرد کا قد چھوٹا، رنگ نسبتاً دبتا ہُوا، مونچھیں لمبے سیاہ، گُدی پر بل کھائے ہُوئے بال اور ان کے اُوپر کھال کی بڑی سی ٹوپی منڈھی تھی۔ جواب دینے والے اخباری نمائندے نے یہ تو بھانپ لیا کہ ایسی تراش خراش کے لوگوں کا "اوپیک" والوں سے تعلق نہیں ہوسکتا، مگر یہ تصور یا تجسس ایسا نہ تھا کہ وہ ساتھ کھڑے پولیس والے کو بھی اس میں شریک کرنے کی ضرورت محسوس کرتا۔

اور آخر وہ ضرورت محسوس کرتا بھی کیوں؟ یہ تو اُس کے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ آگے آگے جانے والا، باسک ٹوپی پہنے، اِک زمیہ تیز سانچہ: وہی چھبیس سالہ جوان ہے جس کی دہشت گردی کا لوہا ایک دُنیا مانتی ہے اور وہ کارلوس مرتینیز توریس یا صرف "کارلوس" کے نام سے مشہور ہے۔ برطانوی پریس جسے فریڈرک فورسائتھ کے مشہور ناول "دی ڈے آف دی جیکال" کے مرکزی کردار کی مناسبت سے "دی جیکال" (سیار، گیدڑ) کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اگر کسی نے دہشت گردی کو صحیح معنوں میں بین الاقوامی وسعت اور خدوخال دیے، تو وہ یہی وینزویلا کا باشندہ تھا جو کئی زبانیں فرفر بولتا، جس کا تعلق ایشیا، شرقِ اوسط، افریقہ، جنوبی امریکہ اور یورپ کی مختلف دہشت پسند تنظیموں

سے تھا اور جس کے نمایاں کارناموں میں پیرس کے "لے ڈرگسٹور" میں بم کا دھماکہ، اسرائیلی ہوائی کمپنی ایل عل کے جہاز پر اورلی ہوائی اڈّے سے آر۔ پی۔ جی۔ ۷ میزائلوں کی ناکام نشانہ بازی، پیرس ہی کے "لاطینی کوارٹر" میں دو فرانسیسی خفیہ پولیس والوں اور اُن کے لبنانی مخبر کا سفاکانہ قتل اور اسی قسم کی دوسری سنسنی خیز سرگرمیاں شامل تھیں۔ تازہ ترین واردات کے لیے نیک شگون کے طور پر وہ جارج حباش کا عطا کردہ بند گلے کا ہلکا آسمانی سویٹر پہن کر آیا تھا — وہی حباش جس کی تنظیم "آزادیِ فلسطین کا عوامی محاذ" (پی۔ ایف۔ ایل۔ پی) نے اسرائیل سے کبھی بات نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی اور جو کارلوس کا گرو اور سرپرست بھی تھا۔

اس ٹولی کی واحد خاتون رُکن تیئیس سالہ گبریئیلے کروخر ٹیڈے مان تھی جو مغربی جرمنی کے بادر ماینہاف گروہ کے ساتھ مل کر چھوٹی عمر ہی میں اپنا نام خاصا اچھال چکی تھی۔ فروری ۷۲ء میں اس نے برلن کے ایک بینک میں ڈاکہ ڈالا اور پندرہ ماہ تک مفرور رہنے کے بعد پولیس سے مقابلہ کرتے ہُوئے گرفتار ہوئی۔ آٹھ سال کی سزا ہُوئی، مگر مغربی برلن کرسچین ڈیموکریٹک پارٹی کے رہنما پیٹر لورینز کو اغوا کرکے دہشت پسندوں نے اس کے بدلے میں اپنے جن پانچ ساتھیوں کو قید سے چھڑوا کر ۴ مارچ ۷۵ء کو عدن پہنچوایا، اُن میں یہ خوبرو نرم و نازک لڑکی بھی شامل تھی۔ رہائی پانے کے بعد یورپ میں اب وہ پہلی بار نظر آ رہی تھی۔

انسپکٹر تِشلر اور پاندا سادہ کپڑوں میں ملبوس خودکار چھوٹے پستولوں سے مسلح تھے اور عین اُس وقت جب تِشلر مستقبل کے خواب دیکھنے اور اپنے ساتھی کو دکھانے میں مصروف تھا، راہداری میں کچھ ہلچل سی مچی اور استقبالیے میں بیٹھی ہیلگر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ شیشے کے پیچھے سے اُس نے دیکھا کہ باسک ٹوپی پہنے لمبے قد کے خوبرو جوان نے تِشلر کو اپنے پستول کی زد پر لے لیا تھا اور معمر محافظ کے دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھے ہُوئے تھے۔

اور پھر تو قیامت ٹوٹ پڑی۔ گولیاں چلیں، ہلچل میں لوگ اِدھر اُدھر پناہ لینے دوڑے، مگر بےچارہ تِشلر اتنا خوش نصیب نہ تھا۔ وہ کارلوس سے گتھ چکا تھا کہ پیچھے سے گبریئیلے نے اُسے

نشانہ بنالیا اور وہ ایک پُرسکون مستقبل کے خواب دیکھتا دیکھتا وہیں ڈھیر ہوگیا۔ گھبراہٹ کے باوجود ہیلگر کو اتنا ہوش رہا کہ اُس نے فوراً پولیس کا نمبر ملاکر جلدی جلدی اوپیک کے دفاتر میں گولی چلنے کی اطلاع دے دی، مگر بہت قریب سے دو گولیاں سنسناتی ہُوئی آئیں اور سوئچ بورڈ میں سوراخ کرگئیں۔

عراقی وزیر کے باڈی گارڈ حسن سعید نے یہ منظر دیکھا تو اُس نے غصّے میں گبریئیلے کا پستول والا سیدھا ہاتھ تھام لیا، مگر وہ بھی کچی گولیاں نہ کھیلی تھی۔ اُس نے پلک جھپکنے میں اپنا بایاں ہاتھ لباس کے اندر ڈال کر ایک اور آتشیں کھلونا نکالا اور گولی سیدھی حسن سعید کے منہ پر داغ دی۔ ایک نازک اندام حسینہ دیکھتے ہی دیکھتے دو کڑیل جوانوں کو موت کی آغوش میں سلا چکی تھی۔ ایسی ہی جراٴت لیبیائی وفد کے ایک رُکن یُوسف اِسمرلی نے دکھائی، مگر اس بار کارلوس نے اُسے ٹھکانے لگادیا اور گولی اس کا جسم چھیدتی ہُوئی ایک کویتی رُکن کو زخمی کرگئی۔ حفاظت پر مامور دوسرے انسپکٹر پاندا نے کسی نہ کسی طرح اپنے محکمے کو جو فون گیارہ بج کر پینتالیس منٹ پر کیا، اُس میں کارلوس کی چلائی ہُوئی یہ پانچ گولیاں بھی ٹیپ ریکارڈر پر محفوظ ہوگئیں۔

راہداری اور استقبالیے سے فارغ ہوکر دہشت پسندوں نے اپنے اصل ہدف کا رُخ کیا۔ کانفرنس رُوم میں داخل ہونے والا پہلا شخص یُوسف تھا جس نے کھال کی بڑی سی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ موت اپنے سروں پر منڈلاتی دیکھ کر اوپیک کے تمام وزرا میز کرسیوں کی آڑ میں فرش پر لیٹ گئے۔ پانچ منٹ کے اندر اندر انسپکٹر پاندا کے بلاوے پر پولیس کی نفری وہاں پہنچ گئی اور جاتے ہی اُس نے عمارت کو گھیرے میں لے لیا۔ تھوڑی دیر تک دونوں طرف سے فائرنگ ہوتی رہی اور ایک دہشت پسند کلائن کے پیٹ میں گولی بھی لگی، مگر جب دیکھا کہ یرغمال پُوری طرح دہشت پسندوں کے قبضے میں ہیں، تو پولیس بارہ بج کر دو منٹ پر مقابلے سے دستکش ہوکر اُن کی بات سُننے پر آمادہ ہوگئی۔

ان موت کے فرشتوں کو خاص طور پر سعودی تیل کے وزیر ذکی یمانی کی تلاش تھی جو فرش پر دراز ان نازک لمحات میں زیرِلب آیاتِ قرآنی کی تلاوت کر رہے تھے اور سمجھتے تھے

کہ اسرائیلی خفیہ ایجنٹوں نے آلیا۔ یُوں بھی کہ اس ٹولے کا لیڈر اپنے خدوخال سے یہودی لگتا، مگر جب یمانی کی شناخت ہوگئی تو اُسی لیڈر (کارلوس) نے آگے بڑھ کر خود اُنہی سے عربی لب و لہجے میں خطاب کیا اور کہا کہ ہم فلسطینی کمانڈو ہیں اور اس کارروائی کا مقصد اپنے چند ایسے مطالبات منوانا چاہتے ہیں جن کا تعلق سعودی عرب اور ایران سے ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ تمام حاضرین کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اُن کے ساتھ پُورا پُورا تعاون کریں۔

اب یرغمالی دہشت پسندوں کے رحم و کرم پر تھے۔ آسٹریا کے چانسلر برُونو کرائسکی نے مذاکرات خود اپنے ہاتھ میں لیے۔ درمیان میں پڑنے کے لیے کارلوس نے پہلے لیبیا کے سفیر کا نام تجویز کیا، مگر جب پتہ چلا کہ وہ ملک سے باہر ہے، تو عراقی ناظم الامور نے اس کام کے لیے اپنی خدمات پیش کردیں، جو تھوڑے سے توقف کے بعد قبول کرلی گئیں۔ بھاگ دوڑ ہوتی رہی۔ دہشت پسندوں کے مطالبات ریڈیو پر نشر بھی کیے گئے جو بیشتر انقلابی نوعیت کے تھے اور جن میں اسرائیل کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا تھا۔ بالآخر بیس گھنٹے کی صبر آزما

دواخانہ
مسیح الملک دہلی

معدے کی مسلسل خرابی، بدہضمی وغیرہ کے لیے جوارش شاہی سدہ مفید دوا ہے۔ قیمت بڑے بیس یوم صرف دس روپیہ۔ خرچہ ڈاک و پیکنگ تین روپیہ۔ جو بذریعہ ایک ساتھ منگانے پر خرچہ ڈاک و پیکنگ معاف نیز اپنی صحت کے بارے میں مکمل حالات لکھ کر تحریر فرمائیں۔ نسخہ اور مشورہ مفت۔ مہربانی جوابی لفافہ آنا شرط ہے۔

حکیم سید محمد باقی

بلاک ناظم آباد نمبر ۵۔ اے کراچی نمبر ۱۸، فون نمبر ۶۱۲۶۲۹

کوششوں کے نتیجے میں جبکہ یرغمالیوں کی جان مسلسل سُولی پر لٹکی رہتی، ایک تصفیہ ہُوا جس کے مطابق دہشت پسندوں کی نگرانی میں ایک کار ۲۲ دسمبر کی صبح پانچ بجے ویانا سے اُڑ کر پہلے الجزیرہ پہنچا جہاں کارلوس لے اپنے زخمی ساتھی کلائن کو فوری طبی امداد کی غرض سے اُتارا۔ وہاں سے یہ طیارہ طرابلس گیا جہاں تفصیلی شرائط کی تکمیل کے لیے مشید آموزگار اور زکی یمانی کے سوا باقی تمام یرغمالی کس نے چھوڑ دیے۔ ان دونوں وزیروں کو واپس الجزائر پہنچ کر نجات ملی جہاں کی حکومت نے تمام دہشت پسندوں کو سیاسی پناہ میں لے لیا۔

اس سنسنی خیز واردات کے پیچھے کیا عوامل کارفرما تھے، کن ہاتھوں میں اس کی باگ ڈور تھی اور اس سے کس کو کیا ملا؛ یہ سب تو سیاسی گورکھ دھندے ہیں۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ اس آپریشن کو اپنے انجام تک پہنچانے والا کون ہے اور وہ کیا بلا ہے جسے انصاف کے نام پر بھی کوئی یورپی ملک اپنے ہاں بلانے کا روادار نہیں۔ کسی نے الجزائر سے یہ مطالبہ کیوں نہیں کیا کہ اُسے گناہوں کی سزا دینے کے لیے اُس کے حوالے کیا جائے۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ ایلچ ریمیریز سانچیز دہشت پسندوں کا سرغنہ کارلوس ترمینیز توزیس یا صرف "کارلوس" کیسے بنا — وہی کارلوس جو صحیح معنوں میں "بین الاقوامی" ہے، جو ہسپانوی، انگریزی اور رُوسی زبانیں خوب جانتا ہے، فرانسیسی، عربی اور جرمن بھی بول لیتا ہے، جسے کے۔ جی۔ بی اور کیوبا میں اُس کے ذیلی ادارے ڈی۔ جی۔ آئی کی سرپرستی حاصل ہے اور جس کے روابط کا سلسلہ جاپان کی یونائیٹڈ ریڈ آرمی، دیو۔ آر۔ اے، آئرلینڈ کی ری پبلکن آرمی (آئی۔ آر۔ اے)، مغربی جرمنی کے بادر مائنہاف گروپ، ایریٹیریئن لبریشن فرنٹ، ترکش پاپولر لبریشن فرنٹ، اُروگوئے کے توپامارس، باسک، بریٹن اور کارسیکائی علیحدگی پسند تحریکوں، فلسطین، شمالی افریقہ، جنوبی امریکہ اور نہ جانے کہاں کہاں کی کون کون سی خفیہ دہشت پسند تنظیموں سے قائم ہے۔

کارلوس کو انقلاب کی راہ پر ڈالنے میں پہلا ہاتھ اُس کے باپ کا ہے؛ چنانچہ جب ڈاکٹر جوزے التاگراسیا ریمیریز کو اس کو معلوم ہُوا کہ آپریشن اوپیک سر کرنے والا کون ہے، تو فخر سے اُس کا سینہ تن گیا اور اُس نے کہا "میرا بیٹا تو بیچ مچ کا جنرل بن گیا ہے۔" وینزویلا کا یہ وہی ڈاکٹر ریمیریز ہے جو پادری بننے چلا تھا، مگر دو ہی سال میں رہبانیت سے بیزار ہُوا، دینی تعلیم ادھوری چھوڑی اور قانون کی ڈگری لے کر انقلاب کا داعی بن گیا۔ لینن سے عقیدت کا یہ حال تھا کہ اُس نے اپنے تینوں بیٹوں کو اسی کے مختلف ناموں سے موسوم کیا یعنی ایلچ (ولادت ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۴۹ء)، لینن (۱۹۵۱ء) اور ولادیمیر (۱۹۵۸ء)۔

لیکن لینن کی عقیدت نے دولت سمیٹنے اور جائیداد بنانے سے اُس کے ہاتھ نہ روکے۔ اپنے بچوں کو اُس نے بالکل شہزادوں کی طرح پالا، بہترین اتالیق اُن کے لیے فراہم کیے اور ملک ملک کی سیر کروائی۔

چودہ سال کی عمر میں ایلچ کالج میں داخل ہُوا جہاں اُس نے حکومت کے خلاف کمیونسٹوں کے ہنگامے میں حصہ لیا اور جب ۱۹۶۶ء میں وہاں سے وہ فارغ ہُوا، تو باپ نے مزید تعلیم کے لیے اُسے کیوبا بھیج دیا۔ ڈاکٹر ریمیریز نے اپنے سب سے بڑے بیٹے کے لیے جس درسگاہ کا انتخاب کیا وہ ہوانا کا کیمپ متانزاس تھا جہاں انقلابی نظریات اور تخریب کاری کی باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے۔ کیوبا کی سیکرٹ سروس کا یہ سکول کے۔ جی۔ بی۔ کا کرنل وکٹر سیمونوف چلاتا تھا جو کیوبا کی سیکرٹ سروس کا عملاً سربراہ بھی تھا۔ یہاں انتونیو بودیہ نامی ایک انسٹرکٹر بھی تھا جو گوریلا ٹریننگ دیتا۔ کئی سال بعد وہ لندن کے ایک ہی فلیٹ میں ایلچ کے ساتھ رہائش پذیر ہُوا۔

دو سال تک زیرِ تربیت رہنے کے بعد جب ایلچ اس "درسگاہ" سے فارغ ہو کر نکلا، تو اپنے پہلے خفیہ مشن پر اُسے وینزویلا بھیجا گیا جہاں وہ ساحل پر اُترتے ہی دھر لیا گیا، مگر پولیس نے پوچھ گچھ کے بعد چھوڑ دیا۔ چند ہفتے کیوبا میں گزارنے کے بعد وہ دوبارہ پلٹا اور کراکاس یونیورسٹی کے طلبہ کو بھڑکا دیا، لیکن پھر پکڑا گیا اور اس مرتبہ پولیس نے خوب مرمت کرنے کے بعد اُس وقت چھوڑا جب اُس کے باپ نے آ کر خود ضمانت دی۔"

بیٹے کی دو مرتبہ یہ گت بن چکی، تو باپ کو خیال آیا کہ تربیت میں کچھ کمی رہ گئی ہے۔ کیوبا میں ایلچ نے رُوسی زبان بھی سیکھ لی تھی، چنانچہ تکمیلِ تعلیم کے لیے اُسے اب ماسکو کی پیٹرس لومومبا یونیورسٹی بھیج دیا جو کے۔ جی۔ بی کی نگرانی میں چلنے والی تیسری دُنیا کے انقلابیوں کے لیے مخصوص درسگاہ ہے۔ یہاں اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ اشتراکی فلسفہ سکھایا جاتا ہے اور اچھے طالب علموں کو اودیسہ، باکو، سمرقند اور تاشقند لے جا کر دہشت گردی، تخریب کاری اور

چھاپہ مار جنگ کی تربیت دی جاتی ہے۔ کریملن کے اشارے پر چلنے والی بیرونی کمیونسٹ پارٹیاں بھی ان سہولتوں سے فائدہ اُٹھاتی ہیں، مگر اُن کے ارکین لینن انسٹیٹیوٹ کے توسط سے یہاں پہنچتے ہیں جو سوویت پارٹی کا ذیلی ادارہ ہے۔ ان مراکز میں پٹ لٹ گریٹ بارود سے کھیلنے کے علاوہ جعل سازی اور خفیہ تنظیم چلانے کی پوری پوری مشق بہم پہنچائی۔ اخراجات کے لیے اس کا باپ ہر مہینے ایک معقول رقم بھیجتا جس کے سہارے وہ آرام سے رہتا اور داد عیش دیتا رہا۔ ماسکو میں دو سال تک رہنے کے بعد بظاہر بے راہ روی اور عیش کوشی کے جرم میں اُسے وہاں سے نکال دیا گیا، مگر جاسوسی کی مغربی تنظیمیں خوب جانتی ہیں کہ جب کسی سے کے۔ جی۔ بی والے رُوس سے باہر کام لینا چاہتے ہیں، تو اُسے کسی نہ کسی بہانے ملک بدر کرنے کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔

رُوس سے چل کر ایلچ سیدھا مشرقی برلن پہنچا جہاں اُسے بادر مائنہاف گروہ کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی گئیں جس نے مغربی جرمنی میں دہشت گردی کا ایک طوفان کھڑا کر رکھا تھا اور جسے بالواسطہ کے۔ جی۔ بی کی حمایت حاصل تھی۔ اس حمایت میں مادی اور اخلاقی امداد کے علاوہ فلسطینی کیمپوں میں گوریلا تربیت بھی شامل تھی؛ چنانچہ ایلچ مغربی برلن میں بادر مائنہاف کے سرغنوں سے ملا اور دونوں میں باہمی اعتماد اور دوستی کا ایک دیرپا رشتہ قائم ہوگیا۔ اسی گروہ کے توسط سے ایلچ بیروت پہنچا۔ وہاں جارج حباش اور اُس کے دست راست اور لبنان، اُردن اور جنوبی یمن میں چھاپہ مار تربیتی کیمپوں کے نگران ڈاکٹر حداد سے ملا اور پہلی ہی ملاقات میں وہ اُن کے بھی بہت قریب آگیا۔ جلد ہی اُس کا شمار تنظیم آزادیٔ فلسطین کے رہنماؤں میں ہونے لگا۔ یہاں اُسے اپنا پیٹرس لومومبا یونیورسٹی کا ایک ساتھی اور الجزائر کا باشندہ محمد بوضیا بھی مل گیا۔ یورپ میں پی ایف ایل پی کی تمام سرگرمیاں اسی سے متعلق تھیں۔ بوضیا اور ایلچ کی شکل و شباہت میں حیرت انگیز مشابہت تھی اور یہ مماثلت دو برس تک اسرائیلی خفیہ پولیس "موساد" کو دھوکا دیتی رہی اور آج بھی یقین سے کہنا مشکل ہے کہ اس کا نشانہ بننے والا شخص واقعی بوضیا ہی تھا۔

"موساد" کا دعویٰ ہے کہ اسرائیل کے خلاف بڑے پیمانے پر جو تخریبی سرگرمیاں ہوئیں اُن میں بوضیا پیش پیش تھا۔ اُسی نے یورپ میں اس جال کے تانے بانے بُنے اور وہی کے۔ جی۔ بی کی سرپرستی

میں مختلف دہشت پسند گروہوں کو ایک دوسرے کے قریب لایا اور عالمگیر سطح پر انھیں مربوط و منظم کیا۔ اُس کا باس یُوری کوتوف پہلے اسرائیل میں کے۔ جی۔ بی کا افسر رہا، مگر ۱۹۶۷ء میں سفارتی تعلقات منقطع ہو جانے کے بعد وہ بیروت منتقل ہوگیا۔ وہاں بھی وہ بظاہر تو رُوسی سفارت خانے سے وابستہ تھا، مگر اُس نے اپنی اصلیت چھپانے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ بوضیا پیرس گیا، تو کوتوف بھی اُس کے پیچھے پیچھے مغربی یورپ میں کے۔ جی۔ بی کا چیف بن کر پہنچ گیا۔ اسرائیلیوں کا دعویٰ ہے کہ ایلچ کو رُوس کی بدنام زمانہ خفیہ سروس میں لانے کا فرض اسی کوتوف نے ادا کیا اور اسی نے دو برس کو دھوکا دینے کے لیے اُسے ماسکو سے نکالے جانے کا کھیل کھیلا تھا۔

اِدھر اُدھر ہوتا ہوا ایلچ بالآخر فروری ۱۹۷۰ء میں لندن جا پہنچا جہاں اُس کی ماں اپنے شوہر سے قانونی طور پر علیحدگی کے بعد کئی سے یہاں ٹھاٹ سے رہ رہی تھی اور مقامی سفارتی حلقوں کی رونقِ محفل بنی ہوئی تھی۔ کینسنگٹن کے فیشن ایبل علاقے میں اُس کا شاندار مکان تھا جہاں اُس کے تینوں بیٹے بھی اکثر ڈیرہ ڈالے رکھتے، مگر ایلچ

وہاں رہا اور مستقل رہائش کے لیے اپنے کیوبا کے انسٹرکٹر نودیے کے ساتھ مل کر اُس نے دو علیحدہ علیحدہ محفوظ ٹھکانے تلاش کر لیے۔ باپ اُسے بدستور ایک سو ڈالر ماہوار بھیجتا، مگر ایلیچ کی شاہ خرچیوں کے لیے اب ایک علیحدہ کھاتہ نودیے کے نام پر بینک میں کھل چکا تھا جہاں سے وہ جتنی رقم چاہتا نکال سکتا تھا۔

پنی ماں کا بازو تھا۔ وہ اُونچی سوسائٹی میں آزادی سے گھومتا اور رنگین محفلوں میں کسی کھلنڈرے رئیس کا تاثر دیتا۔ "کور" کے لیے اُس نے لندن اسکول آف اکنامکس میں داخلہ بھی لے لیا تھا، لیکن یہ بات اُس کے طالب علم یا کھلنڈرے ساتھیوں کے خواب و خیال میں بھی نہ آ سکتی تھی کہ در اصل وہ دہشت پسندوں کے دو انتہائی خوفناک گروہوں پی۔ ایف۔ ایل۔ پی اور آئی۔ آر۔ اے کا درمیانی رابطہ ہے اور اسی مقصد کے لیے اُسے لندن بھیجا گیا ہے۔

رفتہ رفتہ اُس نے اسکول جانا اور اپنی ماں سے ملنا کم کر دیا اور زیادہ وقت بیسواٹر کی مخلوط النسل آبادی میں بسر کرنے لگا۔ آئے دن مشرقِ وسطیٰ اور یورپ کے سفر پر نکل جاتا اور متجسس نگاہوں سے بچنے کے لیے وہ مختلف فرضی نام اور جعلی پاسپورٹ استعمال کرتا۔ ان فرضی ناموں میں ایک کارلوس اُندریس مرتینیز توریس بھی تھا جس کے پہلے جُز — کارلوس — نے عالمگیر شہرت پائی۔

ایلیچ یا کارلوس بُوضیا سے ملنے بڑی باقاعدگی سے پیرس جاتا اور جب مئی ۱۹۷۲ء میں بُوضیا، جارج حباش کے بلاوے پر بیروت گیا، تو اُس کی جگہ کارلوس ہی نے سنبھالی۔ واپسی پر بُوضیا نے بیروت میں جاپانی دہشت پسند تنظیم یونائیٹڈ ریڈ آرمی ریو۔ آر۔ اے کی نوجوان رہنما فوساکو شیگینو بُو سے اپنی ملاقات کا حال بتایا اور اُس کے تعاون سے حباش نے جو خوفناک منصوبہ بنایا تھا جب اُس کی تفصیلات سنائیں، تو کارلوس خوشی سے جھوم اُٹھا۔

اس منصوبے کے مطابق کارلوس کے ذمّے صرف اتنا کام تھا کہ وہ فوساکو کے شوہر کو روم کے ہوائی اڈّے پر ضروری اسلحہ فراہم کر دے۔ ظاہر ہے اُس نے یہ کام بحسن و خوبی انجام دیا اور نتیجے میں، ۳۰ مئی ۱۹۷۲ء کو ایئر فرانس کی پرواز ۱۳۲ جیسے ہی روم سے آ کر اسرائیل کے تل ابیب کا بین الاقوامی ہوائی اڈہ لود دیکھتے ہی دیکھتے انسانی خون سے لالہ زار ہو گیا۔ یو۔ آر۔ اے کے تین جاپانی فدائین نے اندھا دھند گولی چلا کر ۲۷ مسافروں کو ڈھیر کر دیا تھا۔ ۸۰ زخمی ہوئے۔ مقابلے میں دو جاپانی دہشت پسند بھی کھیت رہے جن میں فوساکو کا شوہر بھی شامل تھا۔ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔

❋

فلسطینیوں کی "بلیک ستمبر" یا "خونی ستمبر" نامی تنظیم نے جب میونخ اولمپکس میں شریک گیارہ اسرائیلی کھلاڑی ہلاک کر ڈالے، تو اس خونی ڈرامے کا بدلہ لینے کے لیے یورپ میں اسرائیل کے خفیہ دستے بھی حرکت میں آ گئے۔ اُنھوں نے پہلے بُوضیا کے نائب ڈاکٹر محمود کو ٹھکانے لگایا اور پھر ۲۸ جون ۱۹۷۳ء کو خود اُسے اپنی کار سمیت اُڑا دیا۔ اب کارلوس نے بُوضیا کی جگہ سنبھالی اور کوتوف نے اُسے یورپ کے مختلف دہشت پسند گروہوں میں کے۔ جی۔ بی کی طرف سے رابطہ قائم کرنے کا اختیار دے دیا۔ ان ذمّے داریوں کے باوجود وہ کے۔ جی۔ بی یا پی۔ ایف۔ ایل۔ پی کا پابند نہ تھا اور قذافی، بومدین یا کسی بھی انقلابی کو اپنی خدمات پیش کرنے میں پوری طرح آزاد تھا؛ چنانچہ جارج حباش سے کہہ کر اُس نے اپنے مرحوم دوست بُوضیا کے نام پر "محمد بُوضیا کمانڈو گروپ" بنایا۔ اُس کے لیے ضروری سرمایہ اور ساز و سامان قذافی سے حاصل کیا۔ قذافی خود بھی بلیک ستمبر سے متاثر تھا اور کہتے ہیں بون میں اُس کے سفارت خانے میں گولہ بارود کا اتنا بڑا ذخیرہ چھپا تھا کہ اُس سے آدھا شہر تباہ ہو سکتا تھا۔

کارلوس نے پیرس کے نواح میں ایک ولا کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا جہاں پہلے سے ایک ترک فلسطینی گروہ اپنا کام کر رہا تھا۔ یہاں اسلحے کے ڈھیر کے علاوہ ایک ایسا طاقتور ٹرانسمیٹر بھی لگا تھا جس پر بیروت سے براہِ راست بات چیت ہو سکتی تھی۔ یہیں اُس کے روابط بیروت کے ایک عمارتی تزئین کار مشل وہاب مُکربل سے استوار ہوئے۔ یہ شخص یورپ میں حباش کا خزانچی تھا اور خرچ کیے ہوئے ایک ایک پیسے کا حساب رکھتا۔ بعد میں جب یہ سارا حساب کتاب پولیس کے ہاتھ لگا، تو اس تنظیم کے بہت سے راز خود بخود افشا ہوتے چلے گئے۔ اسی زمانے میں کارلوس نے ایسے یہودی یا اسرائیل نواز سرکردہ اشخاص کی فہرست بنائی جنھیں راستے سے ہٹانا ضروری تھا۔ اس فہرست میں ایک نام برطانیہ میں صیہونی

فیڈریشن کے اعزازی نائب صدر رہے۔ ایڈورڈ سیف کا بھی تھا۔ جسے کارلوس نے خود لندن جا کر ۳۰ دسمبر ۱۹۷۳ء کو اپنی گولی کا نشانہ بنایا۔

چین سے بیٹھنا وہ جانتا نہ تھا اور چھوٹی موٹی وارداتیں برابر کرتا اور کرواتا رہا، مگر ۱۳ جنوری ۱۹۷۵ء کو دہشت گردی میں اُس کا شاہکار تکمیل پاتے پاتے رہ گیا۔ خبر آئی کہ اسرائیل وزیرِ خارجہ، ایگل آلون، سیکرٹری آف اسٹیٹ ہنری کسنجر سے ملنے واشنگٹن جا رہے ہیں۔ ایل عال کی متوقع پرواز کا بوئنگ طیارہ ۱۳۶ مسافر لے کر پیرس کے اورلی ہوائی اڈے سے براہِ واشنگٹن کے لیے پر تول ہی رہا تھا کہ کارلوس نے جو اپنے تین ساتھیوں سمیت گھات میں بیٹھا تھا، تاک کر یکے بعد دیگرے دو نہایت مہلک راکٹ صرف پینتیس گز کے فاصلے سے اُس پر چھوڑے۔ مگر دونوں مرتبہ نشانہ خطا ہوا اور طیارہ بال بال بچ گیا۔ ایک خوفناک حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا، مگر اس نے ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ مغربی یورپ کے تمام ہوائی اڈے پوری طرح چوکس ہو گئے اور لندن کے ہیتھرو پر ہلکے ٹینک اور فوجی دستے گشت کرنے لگے۔

اُسی شام کسی گمنام ٹیلی فون کرنے والے نے رائٹر کو خبر دی کہ یہ کارنامہ محمد بُوضیا کمانڈو گروپ کا ہے۔

❋

بیری وُوڈہمز سے کارلوس کا بیزواٹر کے ریستورانوں اور کلبوں میں آمنا سامنا ہوتا، علیک سلیک بھی ہو جاتی، مگر دونوں کی پہلی رسمی ملاقات ایک لڑکی، آنجلا کے ٹھکانے پر ہوئی۔

آنجلا، ہسپانیہ کے باسک علاقے کی رہنے والی تھی جہاں اُس نے فرانکو آمریت سے تنگ آ کر یونیورسٹی کی تعلیم کو خیرباد کہا اور لندن میں آ بسی اور اب یہاں ویٹرس بن کر اپنا پیٹ پال رہی تھی۔ ہیئر فورڈ روڈ کی ایک تنگ و تاریک گلی کے گندے سے گھر میں اُس نے تین کمروں کا ایک فلیٹ لے رکھا تھا جو اندر سے صاف ستھرا اور ضروری سامان سے آراستہ تھا۔ بیری سے اُس کے تعلقات بڑھے، تو وہ بھی وہیں اُٹھ آیا۔ ایک ہفتے بعد آنجلا نے اُسے کارلوس سے ملوایا جس سے وہ کبھی خاصی قریب رہ چکی تھی، مگر کارلوس کے لاأبالی پن کی وجہ سے یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور رفتہ رفتہ جذبات کی جگہ باہمی احترام، اعتماد اور نظریاتی ہم آہنگی نے لے لی تھی۔ پچھلے دنوں کی یادگار اس مکان میں اب کارلوس کا صرف ایک نیلا سیاہ ہولڈال رہ گیا تھا جس کے بارے میں آنجلا سے اُس نے یہ کہہ رکھا تھا کہ اُسے اگر کچھ ہو جائے، تو یہ امانت مَریا مدیرو کو پہنچا دی جائے جسے وہ جانتی تھی۔

کارلوس، آنجلا اور بیری سے ملنے آتا، اُنھیں سیر و تفریح کے لیے لے جاتا اور خوب خرچ کرتا۔ دونوں اُس کے حسنِ اخلاق، سلیقے، خوش پوشی، ذہانت اور وسیع معلومات سے خاصے متاثر تھے۔ بات چیت میں وہ بحث مباحثے پر اُتر آتا اور اپنی رائے پر اصرار کرتا۔ دھن دولت سے اُسے بڑا پیار تھا اور ایک مرتبہ جب بینک آف امریکہ پر ڈاکہ پڑا اور واردات کرنے والے ہاتھ نہ آئے، تو اُس نے کہا کہ میں بھی ایسا ہی بڑا ہاتھ مارنا چاہتا ہوں۔ ایک رات ہوائی اڈّوں پر حفاظتی اقدامات کی بات ہو رہی تھی۔ کارلوس بولا یہ سب بیکار ہے۔ کچھ کرنے والے ان تکلفات کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ثبوت میں پیرس کے چارلس ڈیگال ایئرپورٹ کا محلِ وقوع اور وہاں تعینات محافظوں پر قابو پانے کا پورا نقشہ اُس نے کھینچ کر رکھ دیا۔ اس تفصیل پر بیری چونک پڑا۔ شبہ تو اُسے پہلے ہی کارلوس جیسے بظاہر کھلنڈرے رئیس زادے کی تیر و تفنگ کی جزئیات پر عبور سے ہو چکا تھا۔ موقع ملتے ہی اُس نے تنہائی میں کارلوس کا رکھا ہوا سیاہ ہولڈال کھول کر دیکھا، تو دنگ رہ گیا۔ یہ تو ایک چھوٹا موٹا اسلحہ خانہ تھا۔ آنجلا سے استفسار کیا، تو اُس نے کانوں پر ہاتھ دھرے۔ بقول اُس کے ہسپانیہ والے کسی کی امانت کو ہاتھ لگانا گناہ سمجھتے ہیں۔ اُس نے چاہا کہ پولیس کو خبر کر دے، مگر خوف اور مصلحت نے قدم تھام لیے۔ تا وقتیکہ....

❋

ایک اور آنجلا پیرس میں تھی جو وہاں کی معروف درسگاہ کالج دے فرانس میں سیکرٹری کی حیثیت سے ملازم تھی۔ آنجلا آرمسٹرانگ خود تو بے ضرر سی انگریز لڑکی تھی، مگر اُس کی سہیلی، نانسی سانچیز سے کارلوس کے گہرے مراسم تھے اور لاطینی کوارٹر میں ۹ رُو تولیئے کی دوسری منزل پر یہ اُس کا چھوٹا سا فلیٹ ہی تھا جہاں کارلوس کے معصوم کھلنڈرے پن کا پردہ چاک ہوا اور وہ پہلی بار اپنے اصلی رُوپ میں دنیا کے سامنے آیا۔

لاطینی کوارٹر پیرس کی سوربون یونیورسٹی سے دو قدم کے فاصلے

ہے اور یہاں ہر رنگ و نسل کے طالب علم رہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں گھُلی ملی آبادی ہونے کی وجہ سے یہاں کوئی بھی غیر ملکی کسی سے نظروں میں نہیں آتا اور کارلوس جیسے لوگ ایسی ہی بستیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ نانسی تو اُس کی ہم وطن بھی تھی، اس لیے دونوں جلد ہی قریب آ گئے۔

نانسی کا فلیٹ تمام دوستوں کے لیے کھُلا تھا۔ طالب علم برادری کا وہاں مجمع رہتا اور خوب خوب بحثیں ہوتیں۔ آنجلا آرمسٹرانگ بھی فرصت کے لمحات وہیں بسر کرتی۔ کارلوس کو اُس نے پہلی مرتبہ اس جگہ دسمبر ۱۹۷۴ء کے اواخر میں دیکھا اور پھر تو یہ گوشۂ عافیت پُراسرار بنتا چلا گیا۔ آزادی سے وہ آتا جاتا ہی نہ رہا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر کوئی آہستہ سے جھانکتا اور اپنا اطمینان کرنے کے بعد کھولتا۔

آنجلا آرمسٹرانگ نے ۲۷ جون ۱۹۷۵ء کی سہ پہر کارلوس کو دیکھا تو اُس کا منہ اُترا ہوا تھا۔ نانسی اپنے وطن جا رہی تھی اور وہ سمجھی کہ یہ اُداسی اسی جدائی کی وجہ سے ہے، مگر کارلوس اُداس نہیں، فکرمند تھا۔ جناش کے لبنانی خزانچی مشل وہاب مُوکربل کی کوئی خیر خبر نہ تھی۔ وہاب نے کارلوس کو آتے ہی یہ تو بتا دیا تھا کہ وہ بیروت پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تھا، مگر اُس نے کوئی راز افشا نہیں کیا اور حالانکہ اُس نے یہ بات چھپائی تھی کہ پولیس تنظیم کے خفیہ نام اور پتوں کی نہایت قیمتی فہرست اپنے قبضے میں لے چکی ہے، مگر پھر بھی کارلوس نے احتیاطاً اُسے فوراً لندن بھیج دیا۔ اُدھر ہوا یہ کہ وہاب کے قبضے سے برآمد ہونے والی خفیہ فہرست کے نام اور پتوں سے بیروت نے پیرس کو خبردار کیا اور اُس کی درخواست پر لندن والوں نے وہاب کو ہوائی جہاز سے اُترتے ہی گرفتار کر کے فرانس کی خفیہ پولیس کے حوالے کر دیا۔ فرانسیسی پولیس کے حسبِ مشہور ذرا سختی ہوئی، تو وہاب بھی بول گیا اور اُس نے بہت کچھ اُگل دیا۔ چنانچہ خفیہ کے تین افسر وہاب کو لے کر ۲۷ جون ۱۹۷۵ء، جمعہ کی رات ساڑھے نو بجے ۹۔ رُو تُولیے پہنچے۔ دستک دی، تو خود کارلوس نے دروازہ کھولا اور بڑے اطمینان سے تینوں نوواردوں کو اندر لے جا کر بٹھایا۔ سوال جواب ہوئے، تو وہ اپنی معصومیت کا اظہار کرتا رہا، حتیٰ کہ پولیس کے اشارے پر وہاب اندر لایا گیا۔ اُسے دیکھتے ہی کارلوس سب کچھ سمجھ گیا اور رنگین عینک کے پیچھے اُس کی بھنویں تن گئیں۔ وہ خاموشی سے اُٹھا اور پردے کے پیچھے چلا گیا۔ باہر نکلا تو اُس کے ہاتھ میں روسی ساخت کا بھاری ۷،۶۵ کا خودکار پستول تنا ہوا تھا جسے آتے ہی اُس نے پہلے وہاب پر جھونکا، پھر دو افسروں کو ڈھیر اور ایک کو زخمی کیا اور خاموشی سے رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔

زخمی ہونے والے سادہ پوش کے حواس بجا ہوئے، تو اُس نے اس خونی واردات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "ہم تو کارلوس کو صرف بیچ کا آدمی سمجھتے رہے۔ ہمیں بالکل اندازہ نہ تھا کہ وہ کتنا ماہر نشانہ باز اور خوفناک مجرم ہے"۔

مغربی یورپ، خصوصاً فرانس میں بڑے پیمانے پر پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ منگل یکم جولائی ۱۹۷۵ء کے برطانوی اخباروں میں کارلوس کی تصویر چھپی، تو ہیری ڈُڈ ہیمر کی ہمت بندھی اور اُس نے پولیس کو لندن والی آنجلا کے فلیٹ میں رکھے ہوئے سیاہ ہولڈال میں کارلوس کے چھوڑے ہوئے اسلحہ خانے کی مخبری کر دی۔ اپنے بچاؤ کے خیال سے اُس نے پہلے ہی روزنامہ "گارڈین" کو اپنے کوائف بتلا دیے تھے جس سے وہ تو بچ گیا، مگر آنجلا پکڑی گئی۔

کارلوس فرار ہو گیا تھا اور اُس کے قریبی ساتھیوں کا بیان تھا کہ اب وہ پولیس کے ہاتھ نہ آئے گا — اور پھر چھ ماہ بعد ویانا میں "اوپیک" کا ڈرامہ کھیل کر اُس نے نہایت آن بان کے ساتھ اپنے وجود کا اعلان کر دیا۔

اس واردات کے بعد کارلوس کا وجود ایک معمہ بنتا چلا گیا۔ ایک بھُوت یا چھلاوے کی طرح وہ ہر جگہ نظر آتا اور پولیس ریکارڈ میں اُس کا چہرہ مہرہ اتنی مرتبہ بدلا کہ صحیح خدوخال کی شناخت ہی ممکن نہ رہی۔

فرانسیسی کہتے ہیں کہ مخالفوں نے اُسے ٹھکانے لگا دیا۔ جرمنوں کے نزدیک یہ نام عالمگیر دہشت پسندی کی فرضی علامت سے زیادہ کچھ نہیں — اور اسرائیل جو اپنے دشمنوں کی شہرت سے ہمیشہ خائف رہتا ہے، اُن کا دعویٰ ہے کہ اس نام کے چار آدمی بیک وقت مصروفِ پیکار ہیں۔ حقیقت کچھ بھی ہو، کارلوس زندہ ہو یا مُردہ، اُس کا تصور ہی بہتوں کی نیندیں اُڑانے کے لیے کافی ہے۔